ڈاکٹر واثق الخیر
Manazing Editor, Tareekh e Adab e Urdu, Delhi

پھنشور ناتھ رینو کی ادبی کاوش

ملخص:
ہندی زبان وادب کے عظیم فن کار پھنشور ناتھ رینو صوبہ بہار کے اررریا ضلع میں پیدا ہوئے۔ وہ ابتدائی دور سے ہی تحریک آزادی میں شریک ہونے لگے تھے۔ رینو نے ہندی ادب میں پریم چند کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ بلکہ پریم چند نے اپنی کہانیوں میں گاؤں کی عکاسی کی ہے لیکن پھنشور ناتھ رینو نے اسی پریم چند کی روایت کو بڑھاتے ہوئے اس میں تقویت بخشی ہے۔ رینو اپنی کہانوں میں آدمی کو تلاش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے پہلے ناول کو بھارت سرکار نے پدم شری سے نوازا۔ ان کی جتنی بھی کہانیاں یا ناولیں ہیں ان میں اکثر کو مقبولیت ملی۔ ان کی کہانیوں کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ رینو کردار کی مناسبت سے مکالمے ادا کرائے ہیں اسی کی وجہ سے ان کی کہانیاں مقبول ہوئیں۔

کلیدی الفاظ: پھنشور ناتھ رینو، نیپال، تحریک آزادی، پدم شری، میلا آنچل، تیسری قسم

☆☆☆

ہندی زبان وادب کے عظیم فن کار اور ادیب پھنشور ناتھ رینو کی پیدائش ۶ مارچ ۱۹۲۱ء کو صوبہ بہار کے ضلع اررریا (قدیم پورنیہ) فاربس گنج کے پاس ایک خستہ حال اور پچھڑا گاؤں ''اوراہی ہنگنا'' میں ہوئی۔ ان کے والد آریہ سماج سے تعلق رکھتے تھے۔ رینو کی تعلیم گھر سے ہی ہوئی۔ ''سری کسم لال منڈل اسکول'' کے ایک استاد کو پڑھانے کی ذمہ داری دی گئی۔ مزید تعلیم کے لیے رینو اررریا شہر کے ایک اسکول میں داخلہ لیا، اررریا کے بعد سمرن بنی اور پھر فاربس گنج میں

انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ فاربس گنج اس وقت انگریز زمین دار کی وجہ سے کافی ترقی یافتہ شہر تھا۔ وہاں رینو نے ''لی'' اکادمی میں داخلہ لیا اور اسی اسکول سے دسویں بورڈ کا امتحان پاس کیا۔ آگے کی تعلیم کے لیے بنارس آ گئے، مگر بنارس میں تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ بنارس سے لوٹ کر انہوں نے بھاگلپور ٹی۔این۔جے کالج (موجودہ ٹی۔این۔بی کالج) میں داخلہ لیا۔ دوران تعلیم ہی وہ تحریک سے وابستہ ہو گئے تھے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی میں شامل ہو گئے، یہاں سے فارغ ہوئے تو 1950 میں نیپال کی انقلابی تحریک میں شامل ہو گئے۔

پھنشور ناتھ رینو ہندی زبان کے شاہکار ادیب تھے۔ رینو کا شمار ہندی کے ان کہانی کاروں میں ہوتا ہے جنھیں پریم چند کی روایت کو آگے بڑھانے والا سمجھا جاتا ہے۔ 1970 میں انھیں ان کے پہلے ناول ''میلا آنچل'' کے لیے انہیں ہندوستان کا سب سے بڑا اعزاز پدم شری سے نوازا گیا تھا، جو انھوں نے جے پرکاش نارائن کی تحریک کا ساتھ دیتے ہوئے واپس کر دیا۔

رینو نے اپنے ادبی سفر کا آغاز اس دور کے عام روایات کے مطابق شاعری سے کیا۔ ۱۹۳۶ء میں جب پریم چند کی وفات ہوئی اس کے ٹھیک ایک مہینہ بعد پورنیہ ضلع ہندی سمیلن میں ایک کویتا مقابلے میں انہوں نے پریم چند پر ایک لمبی نظم پڑھی تھی، اس پر ان کو اول انعام بھی ملا تھا۔ انہی دنوں انہوں نے کہانیاں بھی لکھنا شروع کیا، جو مختلف رسالوں میں شائع بھی ہوئی تھیں۔ لیکن وہ رینو کی دوران طالب علمی کی ابتدائی کہانیاں تھیں۔

۱۹۴۲ء کے بھارت چھوڑو آندولن میں وہ پیش پیش رہے جس میں وہ گرفتار بھی ہوئے، رہائی کے بعد ۱۹۴۴ء میں ''بٹ بابا'' نام کی پہلی مکمل کہانی لکھی، جو ہفتہ وار ''وشوامتر'' کے ۲۷ اگست ۱۹۴۴ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ ان کی دوسری کہانی ''پہلوان کی ڈھولک'' ۱۱ ستمبر ۱۹۴۴ء کو اسی رسالے میں چھپی۔ اس کے بعد مسلسل رینو لکھتے رہے اور چھپتے بھی رہے۔ ۱۹۷۲ء میں رینو نے اپنی آخری کہانی ''بھتی چتر کی میوری'' لکھی۔ اپنے ۲۹ سالہ ادبی سفر کے دوران رینو کی شائع شدہ کہانیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، مگر اب تک ان کی ۶۳ کہانیاں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ ''ٹھمری'' ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا اور ۱۹۷۳ء میں آخری مجموعہ ''اگنی چور'' منظر عام پر آیا۔ رینو کی کہانیوں کے سات مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جو بہت مقبول ہوئے۔ انہی کہانیوں کی وجہ

سے ملک ہی نہیں بیرون ملک میں بھی پہچانے گئے۔ ٹھمری (۱۹۵۹)، آدم راتری کی مہک (۱۹۶۷)، اگنی چور (۱۹۷۳)، ایک شروانی دوپہری کی دھوپ (۱۹۸۴)، اچھے آدمی (۱۹۸۶)، میری پریہ کہانیاں (۱۹۸۳)، بھتی چتر کی میوری (۱۹۷۲)، اس کے علاوہ انہوں نے چھ ناولیں بھی لکھی ہیں۔ میلا آنچل (۱۹۵۳)، پرتی: پری کتھا (۱۹۵۷)، جلوس (۱۹۶۰)، درگھ پتا (۱۹۵۹)، پلٹو بابو روڈ ()، کتنے چوراہے (۱۹۶۶)۔ ان کہانیوں اور ناولوں کے علاوہ رینو نے رپورتاژ بھی لکھا ہے۔ جس میں ''ان جل دھن جل'' (۱۹۷۸)، ''نیپال کرانتی کتھا'' (۱۹۷۸) اور ''ون تلی کی گندھ'' (۱۹۸۵) ہیں۔

رینو کی ادبی فکر کا محور '' آچاریہ رام شکل'' کا لوک اور شاعر ''دنکر'' کا گاؤں رہا ہے۔ وہ اپنے علاقے کی قدرتی اور فطری خوبصورتی پر نثار تھے تو دوسری طرف گاؤں کی زندگی کے حوالے سے وہاں کی غربت اور استحصال پر فکرمند بھی تھے، جس کی وجہ سے وہ عمر بھر بے چین رہے۔ رینو مٹی کے آدمی تھے اور ماٹی کی ہی نمائندگی کرتے تھے۔ وہ زمین کے جڑے ادیب تھے۔ غریب، مزدور، کسان اور عورت پر ہونے والے ظلم و جبر اور استحصال کی آواز تھے۔ انہوں نے ان مظلوم طبقوں کی تکلیفوں اور پریشانیوں کو اپنی کہانیوں میں جگہ دی۔ وہ اس طبقے کی آواز بن گئے تھے۔ رینو ہونے کا مطلب انقلاب کا ہونا ہے۔ ان کہانیاں پڑھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ انہوں نے سرمایہ کاروں کے خلاف اور غریبوں کے حق میں آواز بلند کی ہے۔ رینو کی کہانیاں دراصل کئی مسائل سے نبرد آزما ان زندگیوں کی کہانیاں ہیں، جن کا وجود ہر لمحہ مسائل میں گھرا ہوا ہے۔

رینو اپنی کہانیوں میں آدمی تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے کئی بار کہا ہے کہ میں آدمی تلاش کر رہا ہوں، آدمی بنا رہا ہوں یا پھر میں اپنی تخلیقات میں اپنے آپ کو تلاش کرتا ہوں۔ وہ جس آدمی کو تلاش کرتے ہیں یا جس آدمی کو بنانے کی بات کرتے ہیں وہ ان کی کہانیوں میں الگ الگ روپ لے کر آتا ہے۔ کبھی پنچ کوڑی، مردنگیساء، رس پریا جو ناچ گانا سکھا کر اپنا پیٹ پالتی ہے۔ بڑھاپے میں جس کی بولی پھٹی بھاتی کی طرح ہوگئی ہے۔ ہیرامن تیسری قسم کا کالا کلوٹا چالیس سالہ گاڑی بان، محبت سے لبریز بھولا بھالا ہیرابائی، میلے میں ناچنے والی پتوریا سے محبت کرتا ہے، سیر چرن، ٹھیس کھانے کو محتاج لیکن اکھڑ کلاکار اپنی انا سے کچھ سوا نہیں کرتا، برجو کی ماں ''لال پان کی بیگم'' کی طرح عورت یا پھر ہرگوبن سنودیا کی طرح انسانی درد سے متاثر یا گاؤں کی تنگ نظری و آپسی جلن کو روکنے کی خاطر اپنے کو قربان کرنے

والا''اکیلا چلارے'' کے کشن مہاراج یا پھر فرقہ پرستی کے خلاف سنگھرش کرتی فاطمہ۔رینو جس آدمی کو تلاش کرتے نظر آتے ہیں وہ گاؤں میں بسنے والے معصوم انسان ہوتے ہیں۔

پھنشور ناتھ رینو سماج کے کرب اور استحصال سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور اس سے وہ پریشان ہو اٹھتے ہیں۔ بقول رینو پاگل ہو جاتا ہوں۔یعنی رینو ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ ان پر سماج کی ایسی حالت کا بہت زیادہ گہرا اثر پڑتا ہے۔اپنی اسی بے چینی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے قلم اٹھاتے ہیں اور اس کو بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ان کی کہانیوں اور ناولوں میں آدمی کے دکھ درد اور اس کی آدمیت کی تصویر ہے۔آدمی کے لگاؤ،اس کی جدائی،اس کا ہنسنا رونا گانا،اس کی اداسی کو رینو نے فنی باریکی سے پیش کیا ہے اور سماج کو ایک نظریہ دیا ہے۔ جب اپنے سماج کو ملک کی آزادی کے بعد دیکھتے ہیں تو وہ جھنجھلا جاتے ہیں اور یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

''میں نے آزادی کی لڑائی آج کے ہندوستان کے لیے نہیں لڑی تھی۔ ناانصافی اور ظلم اب تک میرے لکھنے کا موضوع بنا ہوا ہے اور میں خواب دیکھتا رہا ہوں کہ یہ کب ختم ہو۔اپنے خوابوں کو حقیقت کا رنگ دینے کے لیے جن سنگھرش میں فعال ہو گیا ہوں۔''(۱)

رینو جہاں ملکی و غیر ملکی ادیبوں سے متاثر نظر آتے ہیں وہیں پریم چند سے اپنے لگاؤ کا بیان بھی کرتے ہیں۔موضوعات کی سطح پر رینو نے پریم چند سے بہت کچھ لیا ہے۔ پریم چند کا دور ایسا تھا جس سے متاثر ہوئے بغیر کوئی نہ رہ سکا، چونکہ پریم چند نے ادب کا رخ دربار اور نوابوں کی حسین وادیوں سے نکال کر دیہات کی زندگی کی طرف متوجہ کیا جو ایک بڑی تبدیلی تھی۔رینو کے افسانوں کا مطالعہ کر کے بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ پریم چند کی طرح ان کے یہاں بھی دیہی زندگی اور اس سے متعلق اشیاء و مقامات کا مشاہدہ گہرا ہے۔انہوں نے اپنی تمام کہانیوں میں اپنے سماج اور اس میں رائج زبان و تہذیب کی بھرپور نمائندگی کی ہے۔

پھنشور ناتھ رینو کو عورتوں کے مسائل سے بھی خاصی دلچسپی رہی ہے، اس کی پیش کش خلاقانہ مہارت کے ساتھ کی ہے۔ان کے افسانوں کی عورتیں زیادہ متحرک،فعال اور اپنے حقوق کے لیے لڑنے جھگڑنے والی ہیں۔افسانے کا ایک اقتباس دیکھیے کہ کس طرح عورت اپنے خاوند کو جنسی

خواہش پوری نہ کر پانے پر دھکے مار کر نکال دیتی ہے۔

''پوچھ تاچھ پر پتا چلا کہ حال ہی میں ایک رات کو رتنی نے اس کو (رتنی کا شوہر) لات سے مارا، گھر سے نکال کر چلانے لگی، پوچھے کوئی اس سے کہ اتنا دودھ، ملائی، دہی، مانس، مچھلی، کبوتر، تس، پر دھات، پستئی، دواتولاں، ڈھکان کھا کر بھی جس مرد کو آدھی پہر رات کو پنی شروع ہو اس کو کیا کہا جائے۔'' (۲)

گویا رینو عورتوں کی آزادی کے قائل ہیں اور اپنے افسانوں کے ذریعہ اس کی بھرپور وکالت کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ وہ عورت سماج کی نمائندگی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے تمام زنانہ کردار نیک ہوں یا بد ایک آزاد زندگی گزارنے کی جستجو میں مصروف ہیں۔

رینو کے یہاں پلاٹ روایتی تصور کی کارفرمائی نظر آتی ہے، البتہ رینو مقامی فضا اور تہذیب و ثقافت کی منظر کشی کے ذریعہ اپنے پلاٹ کو دلچسپ، جاذب اور پرکشش بنا دیتے ہیں۔ انہوں نے فلیش بیک کی تکنیک کا بھی استعمال کیا ہے، وہ فلیش بیک کے ذریعہ ماضی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو حسب ضرورت برآمد کرتے ہیں، جس سے کہانی کی تاثیر اور سحر میں اضافہ ہوتا ہے اور کہانی کی روانی، قصہ پن اور اس کے ارتقاء میں کوئی رخنہ بھی نہیں پڑتا۔ کہیں کہیں انہوں نے سوانحی تکنیک کا سہارا بھی لیا ہے اور اس میں وہ پوری طرح کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

پھنیشور ناتھ رینو کی کہانیوں میں زبان و بیان انتہائی موثر ہے، ان کی کہانیوں کی زبان عام بولی جانے والی زبان ہے۔ ان کی زبان میں تدبھو الفاظ کے ساتھ ساتھ، بہار کے پورنیہ، سہرسہ، ارریا اضلاع کے دیہی علاقوں میں بولے جانے والے علاقائی بولیاں اور الفاظ کی کثرت ہے۔ ان کی زبان سادہ، سہل اور عام بول چال کی ہے، جو دل پر اثر کرنے والی خوبی سے بھرپور ہے۔ ان کی ترکیب سادہ، جامع اور دلچسپ ہے۔ کہانیوں میں ادا کیے گئے مکالمے علاقائی اثر سے اچھوتے نہیں ہیں، اس کے مکالمے کردار دوست، دلچسپ اور کہانی کو رفتار دیتے ہیں۔ زبان کی ساخت میں علاقائیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے انھوں نے اپنی زبان میں علاقائی کہاوتوں اور محاوروں کا کھل کر استعمال کیا ہے۔ اپنی زبان کی ابلاغ کو مدنظر رکھتے ہوئے، اس نے وضاحتی، سوانحی، علامتی، جذباتی، تصویری وغیرہ جیسے اسالیب استعمال کیے ہیں۔ انہوں نے اپنی زبان میں علاقائی امیجز کو اہمیت دی

ہے۔اس کے ذریعہ وہ کہانی کی فضا اور ماحول کو خوبصورتی سے ابھارتے ہیں۔مجموعی طور پر ان کے کام اس تصور کو تقویت دیتے ہیں کہ زبان کے معنی بولی کی انجمن میں مضمر ہیں۔ان کے افسانوں کے کردار اپنے عہد، علاقے، اپنی سماجی حیثیتوں اور احساس وخیال سے مطابقت رکھتا ہے۔

پھنشورناتھ رینو نے فلمی دنیا میں بھی طبع آزمائی کی اور ''تیسری قسم'' نام سے ایک فلم بھی بنائی (جس کے ہدایت کار شیلندر تھے)۔اس کے بعد اپنے شاہکار ناول ''میلا آنچل'' کو بھی فلمی پردے پر لانا چاہتے تھے۔ چترگپت اس کے ہدایت کار تھے، لیکن فلم پوری نہ بن سکی۔اسی درمیان ان کی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی۔ پٹنہ میں بہت دنوں تک زیر علاج رہے۔ بالآخر ۱۶/اپریل ۱۹۷۷کو راجندر نگر، پٹنہ، بہار میں اس دنیا کو ہمیشہ ہمیش کے لیے چھوڑ گئے۔لیکن ان کے ذریعہ تخلیق کیے گئے ناول اور کہانیاں کبھی نہ ڈوبنے والا سورج بن کے جگمگاتا رہے گا۔

☆☆☆

حواشی:

۱۔ساریکا رینونمبر نئی دہلی ۱۹۷۹۔ص۔۲۴

۲۔نیناجوگن۔ص۔۳۶